شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبد الخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

مارچ 2011ء / ربیع الاوّل، ربیع الثانی 1432ھ – جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 3 – قیمت فی شمارہ: مبلغ 12 روپے – سالانہ ممبرشپ: مبلغ 150 روپے – تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 400 روپے

حضرت اقدس مولانا

ارشادِ گرامی شاہ **عبد القادر** رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ”ہر تخلیق کسی نہ کسی اسمِ الٰہی کا پرتو ہے۔ اور انسان سب سے زیادہ اسمائے الٰہیہ، یعنی صفاتِ باری کے پرتو کا جامع ہے۔ اور انسانیت کو باقی جمیع (تمام) مخلوق سے زیادہ صلاحیت نیابتِ الٰہی کی حاصل ہے۔ اب ایک اور بات سمجھو کہ جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات اپنی اپنی روحانیت اور خصائص کی بنا پر فائق ہیں۔ اور اس لیے فائق ہیں کہ ہر ایک، ایک دوسرے سے زیادہ اسمائے الٰہیہ کا مظہر یا پرتو ہے۔...

بتانا میں یہ چاہتا ہوں کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے جماداتی، نباتاتی، حیوانی اور پھر ملکوتی ___ کہ روحِ انسانی اسی قبیل سے ہے ___ صفات کا جامع بنایا ہے۔ مزید برآں اس کو عقل کا جوہر عطا کیا۔ جو شاید اس اِفراط سے کسی اور مخلوق کو اس نوعیت کا عطا نہیں ہوا۔... انسان کی عقل کی رہنمائی کے لیے سلسلۂ رُشد و ہدایت بھی اللہ تعالیٰ نے جاری کیا۔ کیوں کہ عقل کی رسائی ایک حد تک ہے۔ اور معرفتِ الٰہی کے لیے اکیلی عقل اتنا کام نہیں دے سکتی کہ انسانوں کو ظن وتخمین (محض اندازوں اور گمانوں) کی دلدل سے کلی طور پر نکال کر یقین و ایقان کے مدارجِ عالیہ (بلند مرتبوں) تک پہنچا دے۔ اور معرفتِ الٰہی کے بغیر انسان اپنے معراجِ کمال اور علتِ غائی (پیدائش کے اصل مقصد) تک فائز المرام (مکمل طور پر کامیاب) نہ ہوتا۔ اور تخلیق کا منشا پورا نہ ہوتا۔ اس لیے پہلے انسان، یعنی آدم علیہ السلام کو بھی نورِ نبوت سے فائز کیا گیا۔

(مجلس 19 رمحرم الحرام 1366ھ / 24 دسمبر 1946، مقام: ڈھڈیاں)

(ارشادات حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، ص: 157۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: تشریح .... حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ 2
درسِ حدیث: تشریح ... حضرت مولانا خواجہ عبد الحیٔ فاروقیؒ 2
اداریہ .... مدیرِ اعلیٰ 3
خطبہ جمعۃ المبارک .... مفتی عبد الخالق آزاد 4
دینی جامعیت کی حامل جماعت کی اہمیت 6
خطاب حضرت اقدس مولانا الشاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
دینی مسائل .... مفتی عبد الغنی قاسمی 8

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبد المتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبد القدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبد الرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)
حضرت مولانا عبد اللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبد العزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ

مین کیمپس لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سالانہ ممبرشپ کی رقم ”ناظم دفتر“ کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ○ پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
تین سال کی ممبرشپ کے لیے مبلغ 400 روپے ارسال کریں۔ ○ **رحیمیہ** کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

نظم وضبط اور ڈسپلن کی اہمیت

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ (61:1-3)

’’جومخلوقات آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ بہت بری بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔‘‘

آسمانی سیارے اور ستارے ایک خاص نظام میں حرکت کر رہے ہیں۔ اور اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ایسے ہی زمین کے مختلف موالید اور جنّ، سب اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں۔ اور اس قانون کے اندر چل رہے ہیں، جو اللہ نے اُن کے لیے بنا دیا ہے۔ یہی ان کی تسبیح ہے۔ اگر اتنے بڑے نظام کے چلانے میں اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے تو وہ انسانوں کے اندر ایک خاص قسم کی حکومت چلانے میں کسی کا محتاج کیوں ہونے لگا؟ اللہ کا محتاج نہ ہونا زمین وآسمان کی حکومت چلانے سے ظاہر ہے۔

’’سَبَّحَ‘‘ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا قانون، یعنی اللہ کی کتاب دنیا میں حاکمانہ انداز سے کامیاب ہو۔ یہ حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ ’’الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ‘‘ (عزت اور حکمت والا) ایک قوم کو حکومت چلانے کی ذمہ داری سکھانا چاہتا ہے۔ اور اس طریقے سے دنیا میں معزز بنانا چاہتا ہے۔ اللہ کی جماعت اور حزب قائم ہونے کے بعد اس جماعت میں یہ استعداد آ گئی کہ وہ اپنے فرائض خود ادا کرنے کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کرے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنا، اس نظام کو سنبھالنا، یہ ہمارا ایمانی فرض ہے۔ اب ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہماری رہنمائی کی جائے۔ اور ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ فرائض، جو ہو سکتے ہیں، وہ بتائے جائیں۔ تو انسان کو حکومت بنانے میں سب سے مشکل فرض جو پیش آتا ہے، وہ عمومی فوجی خدمت (Conscription) ہے۔ جو لوگ اس مشکل سے گھبرائیں، وہ اس آیت کے ذیل میں آتے ہیں۔

ایک قوم پارٹی کے پروگرام کے اندر رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ فرض کے ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے تو اُسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اس فرض کے ادا کرنے میں سستی کریں وہ سخت سزا کے مستوجب سمجھے جائیں گے۔ اگر وہ اس فرض سے کوتاہی کرنے کی صورت میں، سخت سزا برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو ان کی باتیں فقط ڈینگیں ہیں، عملی اقدامات کرنا نہیں ہے۔ یہ تم جانتے ہی ہو کہ اعلیٰ فرض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا، اُس کے ترک کرنے پر سزا برداشت کرنے کی تیاری ہے۔ اور سزا سخت سے سخت دی جائے گی۔ خدا کے ہاں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تم (اعلیٰ فرض ادا کرنے کے لیے) آمادگی ظاہر کرو اور پھر کام نہ کرو۔ ’’لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞‘‘ (کیوں کہتے ہو، جو تم کرتے نہیں)

اصل مسئلہ یہ ہے کہ کوئی قوم اپنی حکومت پیدا ہی نہیں کر سکتی اور نہ کوئی پارٹی انقلابی بن سکتی ہے، جب تک اس کا ایک ایک فرد منظّم انداز میں ڈیوٹی ادا کرنے کے لیے پورا پورا آمادہ نہ ہو جائے۔ یہ چیز پہلے ہی دن انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر میں نے اپنی ڈیوٹی صحیح طور پر نہیں دی تو مجھے یہ سزا دی جائے گی۔ اسی صورت میں ڈسپلن پیدا ہو سکتا ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیؒ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

غضبِ خداوندی کے مستحق

عن إبن عبّاسٍؓ قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: أبغضُ النّاسِ إلَى اللّٰه ثلٰثة: مُلحِدٌ فى الحَرَمِ، و مبتغ فى الإسلام سنّة الجاهليّةِ، و مُطَّلِبُ دم امرئٍ مسلمٍ بغير حقٍّ ليُهريق دَمَهُ. (باب إثبات عذاب القبر، الفصل الثالث، مشكوٰة)

’’اِبن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’اللہ کی طرف سے جن لوگوں پر غصہ نازل ہوا ہے، وہ تین ہیں: (i) حرم میں کج رَوی اختیار کرنے والے۔ (ii) اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور نظام قائم کرنے والے۔ (iii) اور کسی مسلمان کا ناحق خون طلب کرنے والے، تاکہ ان کا خون بہائے۔‘‘

اس حدیثِ پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا غصہ اور غضب تین قسم کے لوگوں پر نازل ہوتا ہے:

(1) حرم کے حدود میں کج رَوی اختیار کرنے والا وہ شخص ہے، جو حرمِ بیت اللہ کی حدود میں جا کر ایسی باتیں کرے، جن کی وہاں ممانعت ہے۔ مثال کے طور پر شکار کرے یا جنگ کرے یا دیگر مطلق گناہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حرم کی حدود متعین کر دی ہیں۔ اور بتایا ہے کہ یہ پاک جگہ ہے۔ یہاں لڑنا جھگڑنا اور کسی کا استحصال کرنا ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں اور پرندوں کا شکار کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ حرم میں کسی انسان کو قتل کرنا ناجائز ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ یقیناً اللہ کے غصے اور غضب کا مستحق ہے۔

(2) اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور نظام پیدا کرنے والے فرد سے مراد ایسا شخص ہے، جو مسلمان ہونے کے باوجود اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت کی ظالمانہ رسموں پر عمل کرے۔ مثلاً: کسی انسان پر ظلم کرے، کسی دوسرے کے ساتھ بداَخلاقی کا مظاہرہ کرے، یا اس قسم کی ایسی دوسری جاہلانہ خلافِ شرع رسموں پر چلے، جو انسان دشمنی اور خدا سے دوری کا سبب بنتی ہیں۔ ایسے شخص پر بھی اللہ تعالیٰ کا غصہ اور عتاب نازل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ فضل ورحمت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ حضورؐ سے پہلے عرب میں جاہلیت کے زمانے میں ایسی ایسی بے حیائی، بدکاری، گناہ گاری اور ظلم و جہالت کی رسمیں تھیں، جنھیں دیکھ کر اور سن کر انسانی فطرت لرز اُٹھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت اور تعلیمات و ارشادات کی بدولت جاہلیت کی رسمیں ختم ہوئیں۔ اور ظلم وستم کا خاتمہ ہوا۔ اور ایک پاک واطہر دین لوگوں کو بخشا گیا۔ اب جو شخص اس بابرکت اور خالص دین کو اختیار کرنے کے بعد بھی جہالت اور حماقت پر مبنی رسموں اور ظلم کے نظام کو زندہ کرے گا، اس پر یقیناً اللہ کا غصہ نازل ہوگا۔

(3) حدیث کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ اس شخص پر بھی اللہ جل شانہٗ کا غصہ اور عذاب نازل ہوگا، جو ناحق کسی مسلمان کا خون بہائے۔ یا ان کے خون بہانے کا ذریعہ بنے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے، جو کسی مسلمان کے قتل کرنے کی فکر میں ہو اور مقصود صرف خون ریزی ہو، جب کہ مسلمان کا مطلق قتل بہت بڑا جرم ہے، لیکن صرف خون ریزی کی ارادے سے مسلمان کو قتل کرنا تو اس سے بھی بدتر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر مسلمان کو ناحق قتل کرنے کا ارادہ رکھنے والے کی یہ سزا ہے تو اُسے قتل کرنے والے کی سزا کیا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان تینوں قسم کے آدمیوں سے اور اس قسم کے غلط کاموں سے بچائے۔ اور نیک راہ پر چلائے۔ آمین

rahimia.org

اداریہ

انقلاب کا غلغلہ
اور ہماری ذمہ داریاں

انسانیت پر بڑھتے ہوئے ظلم وتشدد، قتل و غارت گری، بدامنی اور معاشی بھوک و افلاس نے دنیا بھر میں لوگوں کے لیے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ بہت سے ممالک میں لوگوں میں بے چینی، بے اطمینانی، خوف اور دہشت کی حالت طاری ہے۔ اور اس کا ردّعمل شدید نفرت و غصے اور تصادم کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ ایسے میں معاشرے ٹوٹ پھوٹ اور بدنظمی کا شکار ہیں۔ اور انتہا پسندانہ رویوں سے دوچار ہوتے نظر آرہے ہیں۔ عوام کی جانب سے شدید ردِّعمل کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ چناں چہ دنیا کے کئی ممالک، خاص طور پر تیونس، مصر، یمن وغیرہ میں لاکھوں انسانوں کے احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اس تمام صورتِ حال کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ ان ممالک میں برپا ہونے والے ''انقلابات'' ہیں۔ اور عالمی میڈیا بھی ان احتجاجی مظاہروں کو ''انقلاب'' کا نام دے رہا ہے۔ یوں بہت سے ممالک میں انقلابات کا غلغلہ بلند ہونے کے دعوے کیے جا رہے ہیں۔ اور پھر نہ صرف افریقی ممالک میں برپا کیے جا رہے ''انقلاب'' کی باتیں ہو رہی ہیں، بلکہ اسی بنیاد پر ہمارے ملک میں بھی مقتدر طبقات خوب زور وشور سے ''انقلاب'' کی نعرہ زنی میں مصروف ہیں۔ بلکہ آج کل سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے نمائندہ اور مروّجہ گلے سڑے نظام کے محافظ طبقات بھی اٹھتے بیٹھتے ''انقلاب'' اور ''خونی انقلاب'' کے آوازے بلند کر رہے ہیں۔

اس موقعے پر موجودہ حالات کا شعوری تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ چند سوالات اہمیت کے حامل ہیں۔ کیا کسی ملک میں منظّم انقلابی جماعت کی موجودگی کے بغیر سماجی تبدیلی کا عمل انسانی مسائل حل کرنے کا سبب بن سکتا ہے؟ کیا سامراجی آلۂ کار موبائل کمپنیوں کے نیٹ ورکس استعمال کر کے کیے جانے والے میسجز سے دنیا میں انقلابات برپا ہو جاتے ہیں؟ کیا سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے محافظ طبقات کے بلند آواز سے انقلاب کے نعرے لگانے سے سماجی تبدیلی کا عمل پیدا کیا جا سکتا ہے؟ عالمی مفادات کے آلۂ کار صحافیوں اور میڈیا کی "بریکنگ نیوز" کی بنیاد پر معاشروں میں مثبت تبدیلی کا عمل ممکن ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام طریقوں سے سامراج کی آلۂ کار قوتوں کے مفادات کے تحفظ کا نیا انتظام تو قائم ہو سکتا ہے، انسانی مسائل کے حل کرنے کا صحیح سسٹم قائم کیا جانا ممکن نہیں۔ محض نعروں اور جذباتی باتوں سے کنفیوژن تو پیدا کی جا سکتی ہے، مسائل کا صحیح حل سامنے نہیں آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر ممالک میں قائم سامراجی اور استحصالی نظاموں کے سبب دنیا بھر کے انسان سیاسی بدامنی اور معاشی بھوک و استحصال کے ہاتھوں تنگ ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کے معاشرے امن و آشتی اور معاشی عدل وانصاف کا نمونہ بنیں۔ خوف، بدامنی اور بھوک کی حالت ختم ہو۔ چاہتے ہیں کہ ان ممالک میں موجود نظام کے خلاف ایسی تبدیلی اور انقلاب کا عمل پیدا ہو، جس سے ان کی مشکلات ختم ہوں اور مسائل حل ہوں۔ گویا دنیا بھر میں سماجی تبدیلی کے تقاضے پیدا ہو رہے ہیں۔ استحصال کے شکار مظلوم انسان، ظلم و جبر کے اس نظام سے نجات پانے کے لیے بے چین اور بے قرار ہیں۔

آج جب کہ ہر طرف ''انقلاب'' اور تبدیلی کے تقاضے اُبھر رہے ہیں، اس موقعے پر سماجی تبدیلی کے عمل کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ انقلاب محض توڑ پھوڑ اور قتل و غارت گری کا نام نہیں ہے، بلکہ انقلابی عمل اور سماجی تبدیلی کے نتیجے میں سوسائٹی کی ہموار ترقی اور انسانی مسائل کے حل کرنے کا بہترین نظام قائم کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ جبر سے انسانیت کو نجات ملتی ہے۔ مقتدر طبقات کے مفادات کے بجائے عوامی مفادات کے اداراتی سسٹم وجود میں آتے ہیں۔ سماجی تبدیلی کے عمل کو درست تناظر میں سمجھنے کے لیے انقلابی تبدیلی کے دو پہلوؤں کو سامنے رکھنا ضروری ہے:

(i) ایک یہ کہ سماجی تبدیلی کس کے خلاف ہونی چاہیے؟ اس کا ہدف متعین کیے بغیر کیا جانے والا عمل کبھی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ آج انسانیت کے مسائل کا سبب وہ ظالمانہ نظام ہے، جو سرمائے کی اساس پر انسانیت میں خوف اور بھوک تقسیم کر رہا ہے۔ سرمایہ پرست اور بالادست طبقات اپنے اپنے مفادات کے لیے انسانیت دشمن سسٹم کو مسلط رکھے ہوئے ہیں۔ دنیا بھر میں عالمی سرمایہ دار مافیا انسانیت کو ظلم و جبر کے نظام میں جکڑے ہوئے ہے۔ اب اس ہدف کو سامنے رکھے بغیر محض حکومتوں یا چہروں کی تبدیلی کو ''انقلاب'' کا نام کیسے دیا جا سکتا ہے؟

(ii) دوسرا پہلو یہ ہے کہ سماجی تبدیلی کے لیے اَساسی فلسفے اور نظریے کا تعین کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ پھر اس نظریے پر تربیت یافتہ انسانوں کی منظّم قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان بنیادی پہلوؤں کو نظر انداز کر کے محض انسانوں کا بے ہنگم اجتماع اور انبوہ کسی نمائشی تبدیلی کا ذریعہ تو بن سکتا ہے، مکمل طور پر سماجی تبدیلی کا نتیجہ خیز عمل پورا نہیں ہو سکتا۔ انقلاب کی بنیادی سائنس کو سمجھے بغیر تبدیلی کی باتیں کرنا محض نعرے بازی ہو سکتی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اس موقعے پر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ کیا انقلاب یا سماجی تبدیلی کا عمل لادینی اساس پر قائم نظریہ ہائے حیات سے ممکن ہے؟ ماضی قریب کی گزشتہ دو ڈھائی سو سال کی تاریخ کا تجربہ تو یہ بتلاتا ہے کہ الٰہی تعلیمات کو نظر انداز کر کے نظامِ حیات تشکیل دینے کے بڑے دعوے کیے گئے۔ ان کا نتیجہ سوائے بدامنی، معاشی بدحالی، فکری انتشار اور نظریاتی ژولیدگی کے کچھ نہیں نکلا۔ بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے پیغمبروں کی تعلیمات کو جھٹلا کر محض انسانی ذہنوں کے تخلیق کردہ نظریات نے انسانیت کے لیے کوئی آسانی پیدا نہیں کی۔ بلکہ مشکلات کے نئے دائرے کھڑے کیے ہیں۔ اور ظلم و جبر کی نئی نوعیتیں پیدا کی ہیں۔ اس سلسلے میں تمام ہی نظام ہائے حیات ناکام ونامراد ہوئے ہیں۔

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ سماجی تبدیلی اور انقلاب کا بنیادی نظریہ، دینی فلسفے اور فکر کی اساس پر ہونا چاہیے۔ خاص طور پر قرآن حکیم اور نبی آخر الزماں ﷺ کی سچی دینی تعلیمات پر مبنی سماجی تبدیلی کا عمل ہی انسانیت کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کے حل کی پوری اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ اس تناظر میں قرآن حکیم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی سیاسی، معاشی اور سماجی تعلیمات اور ان پر قائم نظام کی قریباً ایک ہزار سالہ تاریخ کو اپنے پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے موجودہ دور میں قرآنی تعلیمات اور نبوی ﷺ اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے انسانیت دوست نظام قائم کرنے کا شعور پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور محض نعروں سے ہٹ کر سماجی تبدیلی کے عمل کو پورے طور پر سمجھنا اور شعوری بنیادوں پر آگے بڑھنا آج کے دور کا تقاضا ہے۔

آج مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ نعرے بازی کے اس ماحول سے باہر نکلیں، سماجی تبدیلی کے لیے دینی فلسفے کی ناگزیریت کو سمجھیں اور اس حوالے سے اپنا منظّم کردار ادا کرنے کے لیے شعوری جدوجہد کو اپنے پیشِ نظر رکھیں۔

(مدیرِ اعلیٰ)

rahimia.org

خطبۂ جمعۃ المبارک

سوسائٹی کی تشکیل کے لیے اُسوۂ حسنہ کی اہمیت

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 18 فروری 2011ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: خرم شہزاد

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ. (۳۳: ۲۱) قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: "کانت بنو إسرائیل تسوسھم الأنبیاء، کلّما ھلک نبیٌّ فخلفہٗ نبیّ آخر. ألا! لا نبیّ بعدی، سیکونون بعدی خلفاء، فیکثرون.

معزز دوستو! مسلمان جماعت کے لیے نبی اکرمؐ کی سیرت اور آپ کی زندگی اُسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عظیم الشان شخصیت ہیں، جو تمام انسانیت کے لیے نمونہ ہیں۔ آپؐ کی سیرت کو پیش نظر رکھ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر وتشکیل کرنا انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے۔ قوموں کے رہنما اور لیڈر اپنی اپنی قوموں کے لیے رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ وہ عظیم الشان انسان ہیں، جنھوں نے انسانیت کی رہنمائی کی۔ گزشتہ انبیاؑ بھی اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ لیکن نبی اکرم کی بعثت پوری انسانیت کی طرف ہے۔ بخاری شریف میں حدیث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمام انبیاؑ اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ لیکن میری خصوصیت یہ ہے کہ میں تمام انسانیت کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ انسانیت کے لیے نمونہ اور معیار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے انسانیت کے لیے جو کردار ادا کیا، وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب اور تبدیلی کا تھا۔ آپؐ نے اپنی تئیس سالہ نبوت کے دور میں انسانی معاشروں میں انقلابی تبدیلی پیدا کرنے کے اصول، قاعدے اور ضابطے کی رہنمائی کی۔ کہ کیسے انسانی معاشرے منظّم ہوں؟ کس طرح ان کی اجتماعیت قائم ہو؟ وہ آگے بڑھ کر اپنی تنظیمی اور اجتماعی طاقت سے اپنا سیاسی نظام کیسے بنائیں؟ نیز اپنا معاشی اور اقتصادی نظام کیسے تشکیل دیں؟ اپنے اختلافی مسائل کے حل کرنے کا کون سا میکنزم انسانیت کے سامنے رکھیں؟ آپؐ کی سیرت وکردار میں ان تمام امور کو واضح کیا گیا۔ ایک بہت ہی اہم بات، جو ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے، وہ یہ کہ انسانی معاشروں کی تنظیم وتشکیل کے لیے منظّم اجتماعیت، سماجی وعمرانی تشکیل کے لیے بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ حجاز، جہاں بہت سے قبائل، بہت سی اقوام موجود تھیں، اور ان تمام لسانی، مذہبی اور قبائلی اختلافات میں بٹے ہوئے لوگوں کو ایک منظّم معاشرے کی شکل دینا، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار کا بہت اہم اور بلند پہلو ہے۔ عام طور پر اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

ہم حضورؐ کی محض ذاتی خصوصیات تو بیان کرتے ہیں، اور عام طور پر وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں، جو آپؐ کی ذات کے ساتھ ہی خاص ہوتی ہیں، وہ عام انسانوں میں پائی جانی ممکن نہیں، لیکن وہ عمل، جو بطورِ نمونے کے تمام انسانیت کے سامنے رکھنا ہے، اس پر ہم گفتگو اور بحث نہیں کرتے۔ آپ دیکھئے کہ پورے حجاز کا اگر سیاسی، معاشی اور عمرانی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو وہ ایک بکھرا ہوا اور منتشر معاشرہ تھا۔ قبائل کے درمیان جنگیں تھیں، لڑائیاں تھیں۔ تضادات تھے، اختلافات تھے۔ اگر کوئی معمولی سی منظّم حکومت موجود تھی تو وہ صرف مکے کی تھی۔ قصی ابن کلاب کے زمانے سے مکے کی ایک مختصر اور چھوٹی سی حکومت موجود تھی۔ چند ایک شعبے اور محکمے وہاں کام کرتے تھے۔ دس، بارہ اس کے وزرا تھے۔ لیکن وہ ایک قبیلے (قریش) کی سیادت اور اقتدار کا نمونہ تو تھی، انسانی مسائل کے حل کرنے کا اس حکومت کا کوئی کردار نہ تھا۔ باقی پورے کا پورا معاشرہ منتشر اور بکھرا ہوا تھا۔ جتنا بھی حجاز کا اثاثہ تھا، سماجی تہذیب کے حوالے سے، عمرانی نقطہ نظر سے، جو بھی مکے کا نظام تھا، جیسا بھی تھا، جو بھی اس معاشرے نے پچھلے تین سو سال سے ترقی کی تھی، اس ترقی کا جو آخری خلاصہ ابوجہل کی قیادت میں مکے کی حکومت کی صورت میں تھا، حضورؐ نے اس نظام کو چیلنج کیا۔ اس کی خرابیاں واضح کیں۔ اس میں پیدا ہونے والے تضادات اور اختلافات کی نوعیت کا تعین کیا۔ تو وہی حکومت اور نظام حضورؐ کے مقابلے پر آ گیا۔ ایک تو وہ نظام خود ناکارہ تھا، اور مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت سے عاری، اور دوسرے یہ کہ زیادہ ترقی یافتہ فکر اور سسٹم کے مقابلے پر، وہ لڑائی، تشدد، جھگڑے اور انتقام کے راستے پر اُتر آیا۔ اب مکے میں تو پھر بھی کسی درجے میں، سیاسی، معاشی تجزیہ یہ بتلاتا ہے، کہ ایک درجے میں حکومت موجود تھی، لیکن مدینہ منورہ، جسے یثرب کہا جاتا تھا، وہاں تو حکومت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ چوبیس، پچیس قبائل، اور پھر یہ کہ یہودیوں کے الگ قبیلے، پھر یہودیوں میں آگے ان کے موالی، اور ان سے پھوٹنے والی مختلف شاخیں قبیلہ اوس، جو انصار کا ایک بڑا قبیلہ تھا، اور اس کی آگے شاخیں، قبیلہ خزرج اور پھر اس کی آگے شاخین، یہودی وہاں پر ہیں، مشرک وہاں پر ہیں، عیسائی وہاں پر ہیں، اور پھر قبائلی تضادات وہاں موجود، ایسے انتشار کے ماحول میں کہ جب یثرب قبائلی دور سے گزر رہا ہے، حضورؐ نے مدینہ پہنچ کر اس یثرب کو مدینہ بنا دیا۔

یہ لفظِ مدینہ، یہ مدنیت، شہریت، Civilisation پر دلالت کرتا ہے۔ عربی کا لفظ مدنیت، شہریت کے معنی میں ہے۔ اور مدینہ وہ کہ جس کو ایک شہر بنا دیا گیا۔ جس کو ایک سول سوسائٹی میں ڈھال دیا گیا۔ جس کا ایک نظام بنا دیا گیا۔ اس لیے اس یثرب کو مدینہ کہا جاتا ہے۔ اب ہمارے لیے مدینہ صرف گانے، اور اس کی نعتیں اور نظمیں پڑھنے اور آمدینہ جامدینہ کے درمیان رہ گیا۔ مدینے کی جو مدنیت کا تصور ہے، وہ سماجیات کا تصور ہے۔ سماجی تہذیب وتشکیل کا جو عنوان ہے، وہ عنوان ہمارے ذہنوں سے نکال دیا گیا۔ پستی اور غلامی کی حالت دیکھئے کہ ہمارا نظریہ بدل دیا گیا۔ محمد رسول اللہؐ نے یثرب کو مدینہ بنایا، یہ مدنیت عطا کرنا، یہ سول سوسائٹی کے بنیادی امور کی نشان دہی کرنا، اس کا عملی سسٹم بنانا، محمد الرسول اللہؐ کی جدوجہد کا نقطہ امتیاز تھا۔ آپؐ نے مدینہ کو جو اولین ریاست بنایا، اس کا آغاز ہی میثاقِ مدینہ سے ہوتا ہے۔ میثاقِ مدینہ، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دستوری ریاست یا سوسائٹی کا بنیادی نقطہ آغاز ہے۔ اور دنیا کا پہلا تحریری دستور العمل ہے۔ سن ایک ہجری سے پہلے، اور اگر عیسوی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو سن 623ء سے پہلے، دنیا میں آج تک جتنی بھی دستاویزات اور مکتوبات ملے ہیں، جتنے بھی قدیم نوشتے دستیاب ہوئے ہیں، ان میں اچھی سوسائٹی قائم کرنے کا وعظ تو کہا گیا ہے، عملی سسٹم قائم کرنے کی کوئی دستاویز، کوئی کتاب، کوئی نوشتہ، جس میں عملی سسٹم بنا کر دیا گیا ہو، یعنی کسی سوسائٹی میں موجود تمام افراد کی آرا کو sum-up کر کے ان کے اتحاد واتفاق کی بنیاد پر دستاویز تیار کی گئی ہو، اور جس میں اس سوسائٹی کے تمام قابل ذکر طبقات نے دستخط کیے ہوں، ایسی دستاویز نہیں ملتی۔ کنفیوشس نے یا افلاطون نے صرف اچھا وعظ کہا ہے۔ بابل کی قدیم تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے، مصر کی آثارِ قدیمہ کے تمام نوشتے پڑھ لیجیے، ہندوستان، جس پر آشوکِ اعظم کی حکومت ہزار سال تک رہی، اس کے "منو" کے قوانین پڑھ لیجیے، فارس اور ایران کی عظیم شہنشاہتیں قائم رہیں، ان کی کتابیں اور وعظ سن لیجیے، وعظ میں اور سسٹم کے قیام میں بڑا بنیادی اور جوہری فرق ہے۔ سوسائٹی کی تشکیل میں سسٹم بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

آج غلامی کے دور میں ہمارے ذہنوں میں یہ بات پیدا کر دی گئی کہ بس اصلاحی وعظ کہنا کافی ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک عام طور پر حکما، دانش وروں، رہنمایانِ قوم یا

غیر سامی انبیاؑ کے درمیان جتنی بھی بحثیں اور گفتگو ہوئی، وہ اصلاحی تھی۔ انقلاب کا تصور ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس انقلاب کے قومی سطح کے امور، حضرت یوسف، موسیٰ، اور عیسیٰ علیہم السلام نے انجام دیے۔ اور اس کا بین الاقوامی ڈھانچہ، دستور العمل، اس کا بین الاقوامی سسٹم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے اس میثاقِ مدینہ کی بنیاد پر عملی نظام بنایا۔ اب یہود کے 24 قبیلے ہیں، بنو عوف ہے، بنو ع قینقاع ہے، بنو نضیر ہے، بنو قریظہ ہے، ہر ایک کا قبلہ ایک دوسرے سے الگ ہے۔ اور پھر ایک اور بات یہ ہے کہ ہر قبیلے میں ایک گھر میں ایک آدمی یہودی ہے، دوسرے نے اسی قبیلے میں رہتے ہوئے عیسائیت اختیار کر لی اور تیسرے نے اسی میں سے اسلام قبول کر لیا۔ تو اب تینوں اپنی اپنی جگہ پر خانگی دائرے سے تو اکٹھے رہ رہے ہیں، لیکن سول سوسائٹی کی تشکیل میں یہ تمام لوگ کیسے کردار ادا کریں گے؟ اس کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ اس کے لیے کیا نظم و ضبط قائم کیا جائے؟ اسی طرح اوس اور خزرج میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔ مشرک بھی ہیں، حضورؐ پر ایمان لانے والے 85، 86 لوگ بھی ہیں۔ اور اسی طریقے سے اور لوگ بھی ہیں۔ منتشر و مختلف لوگ، آزاد بھی ہیں، غلام بھی ہیں۔ آپ دیکھئے ان تمام افراد کو ایک جگہ پر اکٹھا کرنا اور ان سے رائے لینا کہ اس آبادی کی سیاسی، معاشی، عمرانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تمام قبیلوں کے سردار، نمائندوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا اور ان سے رائے لینا اور رائے لینے کے بعد اتفاقِ رائے سے سسٹم بنا دینا، اس سسٹم کا سربراہ کون ہے؟ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدینہ منورہ کی دس ہزار کی کل آبادی ہے۔ اور بچے عورتیں ملا کر کل 500 مسلمان ہیں۔ پانچ سو مسلمانوں کی تنظیمی طاقت، ان کا نظم اور ڈسپلن اور اس سسٹم چلانے کے حوالے سے ان کا کردار اتنا بہترین اور مضبوط ہے کہ معاشرے کے دس ہزار لوگ اپنا قائد اور رہنما حضرت محمدؐ کو مانتے ہیں۔

اب یہیں پر یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ تیسرے سال مکہ مکرمہ میں نبی اکرمؐ نے عمومی تبلیغ نہیں کی۔ عام آدمی کو اپنا مخاطب نہیں بنایا۔ آپؐ نے 13 سال میں ایک تنظیم بنائی۔ ایک نظریے پر ایک ایسی تربیت یافتہ مہارت رکھنے والی اعلیٰ اَخلاق کی حامل جماعت تشکیل دی ہے۔ جو بین الاقوامی سطح کی سوسائٹی چلانے کی اہلیت، صلاحیت اور مہارت رکھتی ہے۔ اور اس پر بلا تفریق رنگ، نسل، مذہب تمام لوگ اعتماد کا اظہار کریں کہ اس کے فیصلے کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ سسٹم چلانے والی، نظم و ضبط پیدا کرنے والی مشنری ایسی ہے کہ ہم اس پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ 13 سال میں آپؐ نے چنیدہ افراد پر محنت کی۔ بہادر، دلیر، مرعوب نہ ہونے والے، اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد تیار کیے۔ اور اللہ سے بھی دعا مانگی کہ باصلاحیت لوگ مجھے دے دیں۔ ایک آدمی میں قائدانہ صلاحیت ہے۔ وہ قیادت کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہ افراد کو منظّم کرنے، ان کو امور سونپنے، ان سے کام لینے، نتائج اور اہداف کو حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور ایک آدمی یہ صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کا مزاج یہ ہے کہ وہ ایک اچھا کلرک یا اچھا متبع بن کر صلاحیتوں کا مظاہرہ تو کر سکتا ہے، لیکن ادارے کا بوجھ اس کے ذمے ڈال دیا جائے تو اس کی صلاحیت اس میں نہیں ہوتی کہ وہ ان مطلوبہ مقاصد و اہداف کو حاصل کرے۔ حضورؐ نے فرمایا: لوگ ایسے ہی ہیں، جیسے سو اونٹ ہیں۔ اور ان سو اونٹوں میں بعض یا ایک بھی نہیں، جو سواری کے قابل ہو۔ اونٹ تو ہیں، لیکن یہ جنگل اور صحرا عبور کرنا ہے۔ کیا یہ اونٹ یہ صلاحیت رکھتے ہیں، جو یہ جنگل عبور کر کے منزلِ مقصود تک پہنچا دیں! انسان تو بہت ہیں، لیکن ان میں سے قابل، اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل کتنے ہیں؟ تو حضورؐ کا ہدف یہ ہے۔ حضورؐ اللہ سے مانگتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام دے دے۔ ابو جہل دلیر ہے، جرأت مند ہے، صلاحیت رکھتا ہے، لیکن غلط مقاصد کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ اور عمر بن خطاب جو خود نبیؐ کو شہید کرنے کی نیت سے آتا ہے، اس کے ارادے بھی نیک نہیں، وہ بھی غلط سسٹم کا آلہ کار ہے۔ نبیؐ نے اللہ سے دعا کی کہ ان دونوں میں سے ایک دے دے۔ اب عمرؓ جب ایمان لاتے ہیں، اس سسٹم کا حصہ بنتے ہیں، تو یہ تنظیمی طاقت مضبوط ہوتی ہے، نتائج پیدا کرتی ہے۔ ابوبکرؓ ہیں، جن کا پوری سوسائٹی میں ایک احترام موجود ہے۔ مکے کا کوئی آدمی ابوبکرؓ کو ہلکا آدمی نہیں سمجھتا تھا۔ مکے کا لیڈر ابو جہل بھی سمجھتا تھا کہ ابوبکرؓ کا مقام کیا ہے! اس کی حیثیت کیا ہے! یہ سخی ہے۔ انسان دوست ہے۔ انسانی مسائل حل کرنے کی اس میں صلاحیت ہے۔ سوسائٹی کو کنٹرول کرنے اور منظّم کرنے کی صلاحیت ہے۔ تمام صلاحیتوں کا اعتراف ہے۔

نبیؐ کا اُسوہ یہ ہے کہ وہ ایک اعلیٰ اور رہنمائی کی صلاحیتوں کی حامل جماعت منظّم کرتے ہیں۔ زیدؓ بن حارثہ، جو کسی آزاد قبیلے کے فرد ہیں، ان کو غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔ حضورؐ کے پاس غلام ہونے کی حیثیت سے پہنچتے ہیں۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور انھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ سن 9 ہجری میں رومۃ الکبریٰ کے مقابلے پر، جو فوج نبی نے بھیجی تھی، اس کی قیادت زید ابن حارثہ نے کی تھی۔ تو اس وقت لوگوں نے ان کی غلام زادہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا تھا۔ لیکن وہ گئے اور بڑی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اب حضورؐ نے اپنی زندگی کے آخری مرحلے میں دوبارہ ضرورت پیش آنے پر فوج بھیجی۔ تو آپؐ نے اس نقطہ نظر سے کہ پہلے روم میں جو سریہ گیا تھا، اس کی قیادت زیدؓ بن حارثہ نے کی تھی۔ اب غزوۂ موتہ کے لیے ان کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ کو قیادت دی۔ تو لوگوں نے پوچھا، بلکہ اعتراضات کیے کہ اتنا بڑا لشکر ہے، اس میں ابوبکرؓ بھی ہیں، عمرؓ ہیں، عثمانؓ ہیں،، اس کا سربراہ اسامہ کو بنا دیا!۔ 21 سال کا نوجوان ہے۔ اور عربوں کے معاشرے کے مطابق آزاد کردہ غلام کا بیٹا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: تم نے اس سے پہلے اس کے باپ پر بھی اعتراضات کیے تھے۔ اور آج تمھیں اس پر بھی اعتراض ہے۔ حضورؐ نے غصے میں کہا: اللہ کی قسم! یہ اسامہ تو حکمرانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے اندر اَمارت کی صلاحیت ہے۔ یہ اتنے بڑے بڑے لاؤ لشکر کو جمہوری بنیادوں پر، متحد رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کو مدینہ بنا دیا۔ یہ دستاویزات اور معاہدے تو اس وقت کام میں آتے ہیں، جب منظّم سوچ آپ کے پاس موجود ہو۔ آپؐ کی زندگی کا ایک تسلسل ہے۔ مکے کی تیرہ سالہ زندگی میں آپؐ نے ایک منظّم جماعت تیار کی۔

آج زوال کے زمانے میں ہم نبیؐ کی سیرت پر وعظ تو کہتے ہیں، آپؐ کے حلوہ کھانے، پگڑی باندھنے، کوئی اور اسی قسم کا کھانے پینے کا جو فائدہ ہو، اس کی سنتیں تو بڑی بیان کریں گے، لیکن آپؐ نے ایک سوسائٹی تشکیل دی، ایک عمرانی معاہدہ کیا، ایک بین الاقوامی سسٹم تشکیل دیا، انسانی مسائل کے حل کرنے کا طریقہ کار وضع کیا۔ سیاسی نظام، معاشی نظام بنایا۔ یہ تمام کردار نبی نے سرانجام دیے ہیں۔ جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس ربیع الاول کے مہینے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان نبیؐ کی سیرت کے ان پہلوؤں کو، جو غلامانہ ذہنیت کے دور میں ہم سے دور کر دیے گئے، اس سے نجات حاصل کریں۔ مرعوبیت ختم ہو، مایوسی ختم ہو، پستیِ افکار و خیالات ختم ہو، دین اسلام کی اساس پر اپنا تعلیمی، تربیتی، سیاسی، معاشی سسٹم تشکیل دینے کے لیے ہمیں کردار ادا کرنا ہوگا۔ اسی کے نتیجے میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے لیڈر، جن کی زندگیوں کے بہت محدود دائرے ہیں، وہ تو دنیا بھر کی اقوام کو اپنے پیشِ نظر رکھتے ہیں، امریکی لوگ ابراہم لنکن کو اپنا لیڈر مانتے ہیں۔ روسی لوگ مارکس، لینن کو اپنے پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ بقیہ صفحہ نمبر 08

rahimia.org

دینی جامعیت کی حامل جماعت کی اہمیت

خطاب حضرت اقدس مولانا الشاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

(ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں علومِ قرآنیہ کے محاضرین کی ایک تربیتی ورکشاپ مؤرخہ 18 جولائی 2010ء کو منعقد ہوئی۔ جس کے اختتامی اجلاس سے حضرت رائے پوری نے درجِ ذیل خطاب فرمایا۔ جسے مولانا محمد جمیل صاحب ضبطِ تحریر میں لائے)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللّٰہ تعالیٰ: لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ **(45:57) و قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: "من أراد اللّٰہ بہ خیرًا یُفقّھہٗ فی الدّین."**

میرے دوستو! یہ دینی تعلیم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک اللہ کے حقوق اور اس کے تعلق کو بڑھانا اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا عدل کا نظام قائم کر کے انسانیت کو ظلم سے نجات دلانا۔ اللہ تعالیٰ اس دارالعمل میں ایسی جماعت چاہتے ہیں، جس کی اعلیٰ تربیت ہو جائے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو قائم کر کے اعلیٰ اَخلاق حاصل کر لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ساری مخلوق کی نگرانی اس کے سپرد کر دوں گا۔ اسی لیے عدل و انصاف کی بنیاد پر انسانیت کے مسائل حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دینی سیاست میں ملکہ پیدا کیا جائے۔ اور اس میں انسانیت کے ساتھ محبت پیدا کی جائے۔ اسی لیے ہمارے سامنے تمام انبیا کا اسوہ، ظلم مٹانا اور عدل و انصاف قائم کرنا، انسانوں سے محبت اور خیر خواہی کا اَخلاق پیدا کرنا ہے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ اپنی پسندیدہ جماعتِ انبیا کے ذریعے سے لیتا ہے۔ اور ان انبیا کے ذریعے اور جماعتیں پیدا ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: "**کانت بنو اسرائیل تسوسھم الأنبیاء**". "بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیا کیا کرتے تھے۔" اسی طرح باقی انبیا علیہم السلام نے بھی اپنی اپنی قوم کی رہنمائی اور سیاست کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ تاکہ وہاں ظالم طبقات کا غلبہ نہ رہے۔ سرداروں اور سرمایہ داروں کا غلبہ نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ جماعت پسند ہے، جو کہ ظلم مٹانے، عدل کو قائم کرنے، انسانیت میں معاشی خوش حالی پیدا کرنے اور انسانیت کو غلامی سے آزادی دلانے کا کام کرتی ہے۔ اور یہ کام بغیر سیاست کے نہیں ہوسکتے۔ اس لیے دین کے اہم ترین شعبے تین ہیں: شریعت، طریقت اور سیاست۔

میرے عزیز دوستو! یہ سوچ اور جذبہ آج کے زوال پذیر معاشرے میں ختم ہو گیا ہے۔ لوگ اپنے مفادات کو پورا کرنے کے لیے سیاست کرتے ہیں۔ اور ظلم کی سیاست کا ساتھ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہ جماعت پسند ہے، جو کہ ظلم مٹانے، عدل کو قائم کرنے، انسانیت میں معاشی خوش حالی پیدا کرنے اور انسانیت کو غلامی سے آزادی دلانے کا کام کرتی ہے۔ اور یہ کام بغیر سیاست کے نہیں ہوسکتے۔ اس لیے دین کے اہم ترین شعبے تین ہیں: شریعت، طریقت اور سیاست۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری مساجد اور مذہبی ادارے اصلاح کے نظریے پر کام کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نظام ان لوگوں سے کام لیتا ہے، ان کو روکتا نہیں ہے۔ اس نظام نے ان سے سیاست کا عمل چھڑا دیا۔ جس کی وجہ سے ان کا عوام سے رابطہ پانچ یا چھ فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ آج کل ہماری مساجد، جو کہ ہمارے دینی مراکز ہیں، جہاں پر دین دار طبقے کی اجتماعیت ظاہر ہوتی ہے، وہ سب کے سب مروّجہ سیاست کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس کا انکار نہیں کرتے، اِلا ماشاءاللہ۔ گویا کہ ہمارے مراکز مروّجہ سیاست کے تابع ہو گئے۔ اور اس کے مفاد میں کام کرنے لگے ہیں۔ اور ہمارا ذہن بنا دیا جاتا ہے کہ ہم دین کے غلبے کی سیاست کے نظریے سے اُلگ ہو کر محض دین کی خدمت کے نام پر مسجد، مدرسہ یا خانقاہ قائم کر لیں۔ حال آں کہ دین کے پورے نظریے کے احیا کا وہاں پر ماحول نہیں ہوتا ہے۔ اور اِن اداروں میں اس بات کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح سامراج نے ان اداروں کو غیر مؤثر بنا کر اس طبقے کو فیل کر دیا۔

اس لیے ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ اس عمل کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سامراج نے ان مذہبی اداروں کو انبیا علیہم السلام کے سیاسی عمل سے غافل یا مخالف بنا دیا تھا۔ وہ سیاسی عمل ایک جماعت سرانجام دیتی ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ زوال کے دور میں حق پر صرف ایک جماعت رہ جائے گی۔ مقصد یہ تھا کہ مختلف جماعتیں دین کے مختلف کاموں کی بنیاد پر کام کریں گی۔ یعنی جزوی کام کریں گی۔ غلبۂ دین کے تصور پر ان کا کام نہیں ہوگا۔ اسی لیے حضورؐ نے اس جماعت کی پہچان یہ بیان فرمائی کہ: "**ما أنا علیہ و أصحابی**" اس جماعت کو میرے اور میری جماعتِ صحابہؓ کے نظریے کی بنیاد پر دیکھا جائے۔ جب ہمارا اِس طرح کا دینی شعور ہوگا تو اس وقت ہم سینکڑوں جماعتوں کا تجزیہ بھی آسانی سے کر سکیں گے۔ اس سے پتا چلے گا کہ حضورؐ اور آپ کی جماعت کے نظریے پر کام کرنے والے لوگ کتنے محدود ہیں۔ اور غلط نظام نے ان کے اثرات کو کیسے روک رکھا ہے۔

غلط جماعتوں کی دوسری نشانی یہ ہے کہ جس نظریے پر مذہبی جماعتیں کام کر رہی ہوں اور وہاں کا سرمایہ داری، جاگیرداری اور سامراجی نظام ان کو نہ روکتا ہو، بلکہ ان کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہو، ان کو ادارے بنا کر دیتا ہو، سامراج ان کی مخالفت نہ کرتا ہو، ان سے کام لیتا ہو تو یہ نشانی ہے ان کے غلط ہونے کی۔ جماعتِ حقہ جس کا کامل نظریہ ہوگا، وہ جب دین کے غلبے کا کام کرے گی تو سرمایہ داری، جاگیرداری اور سامراجی نظام کی طرف سے اس کی مخالفت ضروری ہے۔ اب اگر ہم یہ خیال کریں کہ وہ کامیاب ہیں۔ پھیلتے جا رہے ہیں۔ ان کی مخالفت نہیں ہے۔ تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ نظریۂ سیاست اور عدل سے خالی ہیں۔ ظلم مٹانے کا کوئی نظریہ ان کے پاس نہیں ہے۔ اسی لیے مخالفت نہیں ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ حضورؐ کی جماعت ابھی پوری طرح تیار بھی نہیں ہوئی کہ دشمن یہ سمجھ گیا کہ ان کی وجہ سے ہماری سرمایہ داری اور چودھراہٹ قائم نہیں رہے گی۔ لہٰذا انھوں نے دشمنی اور مخالفت کرنی شروع کر دی۔ مفاد پرست طبقے کی طرف سے مخالفت کا نہ ہونا دراصل اس جماعت کے غلط نظریے کی تائید کرتا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ ہمارے اندر دین کا سیاسی شعور پیدا ہو جائے۔ جو کہ دین کا سب سے بڑا رُکن ہے۔ شریعت کے نتائج اسی وقت نکلیں گے، جب کہ شریعت غالب ہو۔ اور اس کا ایک نظام قائم ہو۔ اور یہ کام کرنے والی ایک تربیت یافتہ جماعت ہو۔ اور خانقاہ کا بنیادی مقصد ہی تربیت یافتہ جماعت پیدا کرنا ہے۔ اور اس تربیت کا یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ ان میں عقل و شعور پیدا ہو۔ ہمت اور بہادری پیدا ہو جائے۔ دوست اور دشمن کی پہچان پیدا ہو جائے۔ اور قوموں کو آزادی دلانے کا شعور پیدا ہو جائے۔ فرقہ واریت کی فضا ختم کر کے اس جگہ محبت کی فضا پیدا کرنے کا شعور ہو۔ اب وہ جماعت جس میں انفرادیت اور خود غرضی نہیں ہے۔ دشمن سے ڈرتی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کے ذریعے سے معاشرے میں انقلاب چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس جماعت کو غالب کریں

rahimia.org

گے۔ دین ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم پوری انسانیت کے بارے میں سوچیں۔ جو کہ ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ اگر ہمارا یہ نظریہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ ہمارا دینی سیاسی نظریہ ختم ہو گیا۔ اور ہم نے اس کو صرف مسلمان تک محدود کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ جس راستے پر ہم چل رہے ہیں، یہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا راستہ ہے۔ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ شریعت، طریقت اور سیاست تینوں کے امام ہیں۔ بدقسمتی سے زوال کے دور میں ان تینوں شعبوں کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے آج کے دور میں اس نظریے کو زندہ کرنا ضروری ہے۔ جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جماعت حق پر ہوگی، جو میرے اور میری جماعتِ صحابہ کرامؓ کے نظریے پر ہوگی۔ وہ نظریہ اور شعور ہمارے اندر پیدا ہونا چاہیے۔ اور ہمارے اندر سیاست کی اہمیت کی سوچ پیدا ہونا ضروری ہے۔ سیاست کیا ہے؟ دراصل شریعت جو کہ انسانیت کے فائدے کے لیے ہے، اس کو عمل میں لانے کی جدوجہد کرنا اور اس کا نظام قائم کرنا، یہ دینی سیاست ہے۔

ہمارے مذہبی طبقے میں ایک کمزوری یہ پیدا ہو گئی کہ ان کا نظریہ انفرادیت اور فرقہ واریت کا بن گیا۔ حال آں کہ دین کا مقصد یہ نہیں کہ محض مولویوں اور پیروں کی حکومت قائم ہو جائے۔ بلکہ دین کا مقصد تو یہ کہ ایسی مسلمان جماعت ہو، جس میں عدل و انصاف قائم کرنے کا جذبہ ہو اور وہ عقل و شعور رکھتی ہو۔ اور اس میں انسانیت کے معاشی مسائل حل کرنے کا طریقۂ کار موجود ہو۔ اپنے اندر اعلیٰ اَخلاق پیدا کرے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کو تین طبقوں سے نقصان پہنچے گا۔ یعنی علمائے سو، دنیادار پیر، اور فاسق و ظالم حکمران۔

آج ہم بڑے خوش ہو جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی پچاس حکومتیں ہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ مسلمانوں کی حکومت کس نظریے پر قائم ہے۔ وہ حکومتیں تو اپنے مفادات اور سامراج کے لیے آلۂ کار کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ تو صرف رَسمی مسلمان کی حکومت کافی نہیں، بلکہ اصل میں تو حکومت اس جماعت کی ہونی چاہیے، جو کہ عدل و انصاف قائم کرے۔ معاشرے میں سے ظلم کو مٹائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بڑے سردار کے خلاف کام کرنے سے منع کر دیا۔ کیوں کہ وہ سردار اپنے ماتحت انسانوں کے ساتھ اچھے اَخلاق سے پیش آتا ہے۔ ان کے سیاسی اور معاشی مسائل حل کرتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس جماعت کی مدد کرتے ہیں، جس کے ذریعے سے دنیا کا نظام درست ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی قوم پر کبھی غلط عقیدے کی وجہ سے عذاب نہیں بھیجا، اگر ان کے معاشرے میں عدل و انصاف کا نظام موجود ہے۔

اصل میں یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی ہے کہ کچھ علما صرف شریعت کا علم حاصل کرتے ہیں اور کچھ پیر صرف طریقت کے حوالے سے تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد ان سے نفرت کرنا نہیں۔ بلکہ ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ رہنمائی اور قیادت کے لائق وہ علما ہیں، جن میں ایسی جامعیت ہو کہ وہ شریعت، طریقت اور سیاست تینوں میں مہارت رکھتے ہوں۔ ایسے علما کو تلاش کر کے ان سے وابستہ ہونے کی ضروت ہے۔ دوسرے علما سے نفرت نہیں کرنی، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کسی ایک شعبے کا علم رکھنے والے تمام شعبوں میں صحیح طور پر قیادت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ انھوں نے سیاست کو دنیا قرار دے کر ردّ کر دیا۔ اور انگریز بھی یہی چاہتا ہے کہ سیاست کا نظریہ مسلمانوں سے ختم ہو جائے۔ تا کہ غلبۂ دین کی سوچ ختم ہو جائے۔ اس نظریے کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ اسی وقت ہوگا، جب ہم اس جماعت کو پہچانیں، جو کہ اس جامع نظریے کی حامل ہو۔ کیوں کہ مروّجہ نظام اس سچی جماعت کا تعارف نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ اس جماعت کے خلاف پروپیگنڈا کرتا ہے۔ اس لیے وہ علما، جن کی تربیت صرف شریعت یا صرف طریقت پر ہے، اور ان کا کوئی سیاسی کردار نہیں ہے تو سیاسی طور پر قیادت کے لائق نہیں۔ اس لیے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم علمائے حقہ کو تلاش کریں۔ ان کے راستے پر چلیں۔ علمائے دنیا کو الگ کر دیں۔

آج مشکل یہ ہے کہ کچھ علما، جن کا سیاسی شعور نہیں ہے۔ جب وہ کوئی کام کرتے ہیں، تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ: ''دیکھیں علما یہ کام کر رہے ہیں۔'' حال آں کہ ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ علمائے حق کی پہچان پیدا کریں۔ اس لیے ہم نے جو کام کرنا ہے، وہ یہ کہ آج کا نوجوان، جو کہ مروّجہ نظام کی وجہ سے دین سے دور ہو گیا ہے، ہم کوشش کر کے اس کو علمائے حقہ سے وابستہ کر دیں۔ ہم تو اپنے سے جوڑنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم تو علمائے حق سے جوڑنے والے ہیں۔

زوال کے دور میں افراد کی کثرت کی بات نہیں ہوتی۔ سامراج کی سازش یہ ہوتی ہے کہ جماعتِ حقہ میں سے کسی ایک شخصیت کا تعارف کرا کر مشہور کر دیا۔ اور پوری جماعت سے اس کو کاٹ کر پیش کیا۔ کہیں حضرت تھانویؒ کو جماعت سے کاٹ کر پیش کر دیا اور لوگوں کو ان سے وابستہ کر دیا۔ کہیں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو، جن کا تعلق ولی اللّٰہی جماعت کے ساتھ تھا، اس جماعت سے کاٹ کر ان کا تعارف کرا کر لوگوں کو ان سے وابستہ کر دیا۔ یہ بہت بڑی سازش ہے کہ جماعت میں سے ایک شخصیت کو نمایاں کر دیتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے جماعت کا نظریہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایک تو جماعتی کردار واضح ہونا چاہیے اور دوسری بات یہ کہ اس کا سیاسی کردار نمایاں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ہم نے دین کی سیاست اس سے سیکھنی ہے، جس میں پائی جاتی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم علما کو نہیں مانتے۔ بھائی! دیکھیں کسی نے سائنس سیکھنی ہو تو وہ سائنس کے پروفیسر کے پاس جائے گا۔ اگر ریاضی سیکھنی ہوگی تو ریاضی کے استاذ کے پاس جائے گا۔ آج ہمارے اندر سیاسی شعور کا فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے سامراج ہم پر مسلط ہو رہا ہے۔ تو ہم سیاست ان علما سے سیکھ سکتے ہیں، جو کہ اس میں مہارت رکھتے ہیں۔

خانقاہ کا بنیادی مقصد ہی تربیت یافتہ جماعت پیدا کرنا ہے۔ اس تربیت کا یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ ان میں عقل و شعور پیدا ہو۔ ہمت اور بہادری پیدا ہو جائے۔ دوست اور دشمن کی پہچان پیدا ہو جائے۔ اور قوموں کو آزادی دلانے کا شعور پیدا ہو جائے۔ فرقہ واریت کی فضا ختم کر کے اس جگہ محبت کی فضا پیدا کرنے کا شعور ہو۔

سامراج اپنی آلۂ کار جماعتیں پیدا کر کے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کو معاشرے میں پھیلنے سے روکتا ہے۔ آج کے دور میں آپ ایسی اسلامی حکومت قائم کریں، جس میں اسّی فی صد لوگوں کی نمائندگی نہ ہو، اس عمل کو کون مانے گا۔ آج کے جمہوری دور میں آپ یہ کہیں کہ ہم اسلام کے نمائندے ہیں، یہ نظریہ اختیار کر کے آپ گریجویٹ طبقے کو نظر انداز کر دیں، تو آپ کی گاڑی کیسے چلے گی؟ مسلمانوں نے اس ہندوستان میں آزادی کی تحریک میں یہاں کے اسّی فی صد طبقے کو اپنے ساتھ شامل کیا۔

آج ہمیں آزادی پسند علما کا نظریہ اختیار کرنا ہوگا۔ اور یہ کرنا پڑے گا کہ ہم کام گریجویٹ سے لیں گے۔ کیوں کہ وہ نظام کو پڑھتا ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ہم صرف ان کو اپنے تابع بنا کر رکھیں۔ جب تک ذہن میں یہ وسعت پیدا نہیں کریں گے، اس وقت تک ہماری طاقت نہیں

Monthly RAHIMIA Lahore 123-R رجسٹرڈ نمبر CPL No. 59

بنے گی۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے فرمایا کہ: ''جو حکومت اپنے عوام کو سیاسی اور زندہ رہنے کے لیے معاشی حقوق دے، اس حکومت کو غیر اسلامی کہنا، یہ دین کی روح کے خلاف ہے۔'' سامراج کا یہ بہت بڑا ذریعہ ہے کسی قوم کو آزادی سے محروم کرنے کے لیے کہ اس میں غربت وافلاس پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اگر معاشرے میں سیاسی امن اور معاشی خوشحالی ہو تو پھر لوگ اپنی روحانی ترقی کے بارے میں بھی فکر کریں گے۔ اور اس میں اعلیٰ اَخلاق بھی پیدا ہوں گے۔ کیوں کہ ہزاروں بداَخلاقیاں غربت وافلاس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً چوری اور ڈاکے کے رویے معاشرے میں دراصل اسی غربت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلامی نظام کا مطلب لوگوں کو امن، معاشی خوش حالی دینا ہے۔ اسی سے روحانی ترقی ہوتی ہے۔ آج مساجد بھری ہوتی ہیں۔ پچاس پچاس سال کے نمازی نکل آئیں گے، لیکن ان کی فسق وفجور کی حالت تبدیل نہیں ہوتی۔ کیوں کہ بارہ چودہ گھنٹے تو وہ اپنی معیشت کے لیے کام کرتا ہے۔ تو اس کے پاس اپنے اَخلاق کو ٹھیک کرنے کا وقت اور جذبہ کیسے پیدا ہوگا؟ جب اس کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، تو اس کو سکون کہاں سے ملے گا؟ روحانی ترقی کا مطلب کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا، جب کہ معاشرے میں عدل و انصاف اور معاشی خوش حالی ہوگی۔ تاکہ یکسوئی سے اللہ سے تعلق پیدا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم اُس نظریے سے وابستہ ہیں اور اس کو معاشرے میں غالب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ: ''قیامت تک میرے نظریے پر ایک جماعت ضرور قائم رہے گی۔ خواہ وہ جماعت چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔'' انفرادیت اور خودغرضی کی سوچ اور اسی طرح محض ملازمت کے حصول کا نظریہ ختم کرنا ہوگا۔ تب جا کر ہم آزادی کے لیے کام کر سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائے۔ اور اہلِ حق، جو کہ حضورؐ کے راستے پر ہیں، ان کے ساتھ وابستہ ہو کر ان کی اتباع کریں۔ اس کام میں مرعوبیت کو ختم کر کے فخر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری قیادت آزادی پسند، انسانیت دوست اور خداپرستی کا اعلیٰ نمونہ رکھنے والی ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی دوسری جماعت کی قیادت کی یہ نوعیت نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے کسی رہنما کے کردار و اَخلاق کے مقابلے میں کوئی دوسرا پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان اَسلاف سے وابستہ ہونا، ان کے فکر وشعور کو حاصل کرنا، ہماری بڑی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہلِ حق سے وابستہ فرمائے۔ آمین۔

بقیہ خطبہ جمعہ چائنا کے لوگ چواین لائی اور ماؤزے تنگ کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ جن کی زندگی کے بہت ہی محدود اور سطحی دائرے ہیں۔ اور محمد الرسول اللہؐ، جنھوں نے کل انسانیت کے لیے ایک بین الاقوامی سسٹم دیا، آج ان کو ماننے والے صرف روشنیاں کر کے مطمئن ہو جائیں، جلوس نکال کر مطمئن ہو جائیں، حلوہ بانٹ کر مطمئن ہو جائیں، شیرینی تقسیم کر کے سمجھیں کہ ہم حضورؐ کے عاشق ہیں، وہ ان کا عملی، سیاسی، معاشی، عمرانی نظام قائم کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور نہ ہوں، اس سے بڑا زوال اور کیا ہوگا؟ ہمارے زوال کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ہمارے دل سے نبیؐ کے تقدس کا وہ پہلو، جو سوسائٹی کی تشکیل کے حوالے سے رہنمائی کا کردار ادا کرتا تھا، وہ ختم ہو گیا۔ آج ہمیں یہ شعور پیدا کرنا ہے کہ دین کا یہ اعلیٰ شعور، دین کے حوالے سے یہ شعوری جدوجہد اور کوشش ہماری زندگی کا حصہ ہوگی۔ تو ہم اس زوال کی حالت سے نکلیں گے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر پائیں گے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال 1 کیا گھر میں میاں بیوی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟ حافظ محمد حمزہ، لاہور

جواب میاں بیوی اگر دونوں نماز کی جماعت کرالیں تو درست ہے۔ لیکن عورت کو مرد کے ساتھ کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے دو مردوں کی جماعت میں ہوتا ہے۔ بلکہ بیوی مرد کی ایڑی کے پیچھے کھڑی ہو۔

سوال 2 زید زمین خرید کر اس پر مکان بنا رہا ہے۔ اور اس کی نیت مکان بیچنے کی ہے۔ مکان کی تعمیر ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ تو کیا اس مکان کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

سائل: قاری محمد اسلم بورے والا

جواب مکان تجارت کی نیت سے بنایا جا رہا ہے۔ اس لیے اس کا شمار مالِ تجارت میں ہوگا۔ چناں چہ مکان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے قیمت متعین کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

سوال 3 زید نے غصے کی حالت میں قسم کھاتے ہوئے خالد سے کہا کہ: اگر تم نے مجھ سے مذاق کیا تو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ لیکن حسبِ عادت خالد نے زید سے مذاق کیا۔ کئی دن تک تو زید اس سے ناراض رہا، بالآخر پھر اس سے بات کر لی تو کیا اس پر قسم کا کفارہ ہوگا یا نہیں؟

سائل: قاری محمد یٰسین، EME، لاہور

جواب زید نے قسم توڑ دی ہے۔ اس لیے اس پر قسم کا کفارہ، یعنی دس مساکین کو کھانا کھلانا یا ان کو لباس بنا کر دینا واجب ہے۔ ویسے بھی کسی مسلمان سے نہ بولنے کی قسم اٹھالی تو اس قسم کو توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور کفارے کی ادائیگی بھی لازم ہے۔

سوال 4 ایک نابالغ لڑکے کا نکاح نابالغ لڑکی سے ان کے والدین نے ان کی طرف سے ایجاب وقبول کر کے کر دیا۔ لڑکی بالغ ہو چکی ہے۔ اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے۔ جس کی عمر دس گیارہ سال کے لگ بھگ ہے۔ لڑکی اور اس کے والدین طلاق چاہتے ہیں۔ تو کیا طلاق نابالغ لڑکا دے گا یا اس کا والد؟

سائل: یاسر علی، پشاور

جواب طلاق کا اختیار اسی لڑکے کو حاصل ہے، جس کا اس لڑکی سے نکاح ہوا ہے۔ البتہ جب تک لڑکا بالغ نہیں ہوگا، اس وقت تک وہ طلاق دینے کا اہل نہیں۔ بالغ ہونے کے بعد اگر وہ طلاق دے گا تو طلاق واقع ہو سکے گی۔ والد نابالغ بیٹے کا نکاح کر دینے کا اختیار تو رکھتا ہے، طلاق دینے کا مجاز نہیں۔

سوال 5 آج کل مانگنا ایک پیشہ بن چکا ہے۔ صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود پیشہ ور لوگ بھیک مانگتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کو زکوٰۃ، صدقات دینا درست ہے یا نہیں؟ عرفان یونس، لاہور

جواب ایسے پیشہ ور لوگوں کو زکوٰۃ وصدقات دینا درست نہیں، بلکہ ان کی حوصلہ شکنی کرنا ضروری ہے۔ تا کہ وہ اس قبیح عمل سے باز آجائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ضرورت بھیک مانگنے والوں کے لیے شدید وعید فرمائی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم اگر ایسے لوگوں کو دی تو اس سے فرض ادا نہیں ہوگا۔ دوبارہ اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

سوال پوچھنے کے لیے اس نمبر پر رابطہ فرمائیں: 0321-4431184

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔